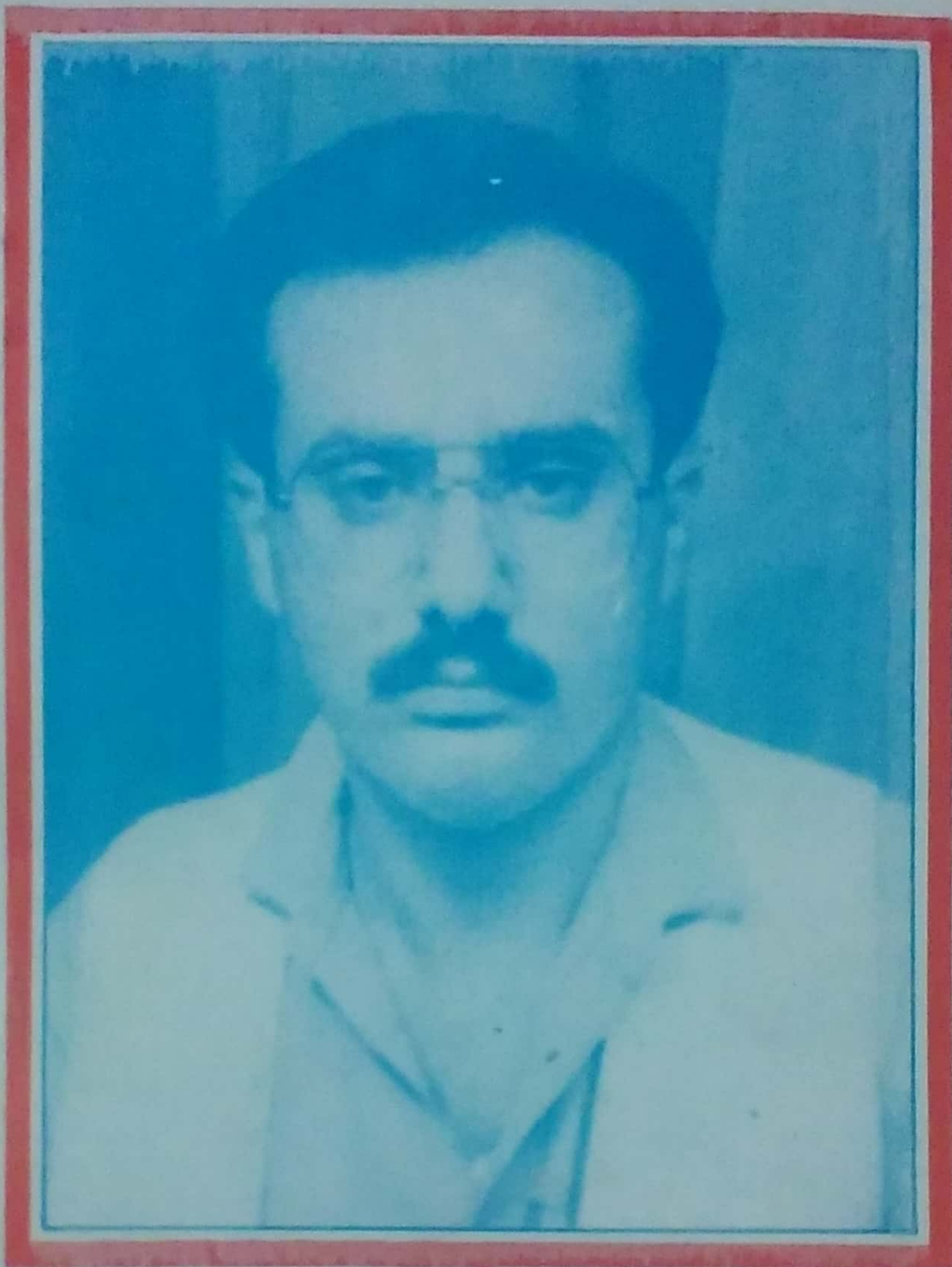


پاسا پنکری پہلی پارش

میاں لطیف شاہ شاہ

Ketabton.com

زبد اہتمام: انجمن ادبیات سرحد (حیدرآباد) اکوڑہ خٹک



میں تو سقراط ہوں ہر دور میں سچ بولوں گا
کوئی ناخوش ہے تو پھر زہر پلا دے مجھ کو

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

پیاس نگر
میں پہلی بارش

تخلیق

میاں لطیف شاہ شاہد

زیر اہتمام

انجمن ادبیات
اکوڑہ ننکانہ

انتساب

اپنے ادنیٰ سے خوابوں کے نام۔۔۔۔۔

زندگی اک خواب کا عنوان تھا

جس میں بس تعبیر کا فقدان تھا

سید غلام علی شاہ مشرک کے نام۔۔۔۔۔

میں اُسکی ذات کو تنہا سمجھ کے بیکل تھا

وہ اپنی ذات میں اک رنگ و بو کی محفل تھا

اپنے مرحوم دوست ایاز کے نام۔۔۔۔۔

تیرے گلشن کو نجانے کس کی نظریں کھ گئیں

تیرے ارمانوں کی کلیاں بن کھلے مر جھگئیں

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

کتاب ————— پیپس نگر میں پہلی بار شائع

مصنف ————— میاں لطیف شاہ شاہد کھیل

بار اول ————— جون ۱۹۹۳ء

تعداد ————— ایک ہزار

طابع ————— اکبر پبلشرز پریس ٹرسٹی

کتابت ————— محمد عبدالرحمن قادری

قیمت ————— ۲۲۰ روپے

میاں لطیف شاہ شاہد نئی نسل کے اُس گروہ سے تعلق رکھتے ہیں جس کے بارے میں کبھی اقبال نے کہا تھا کہ
عذرا نام ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی
میں ذاتی طور پر اس نوجوان شاعر سے زیادہ واقف نہیں ہوں
مگر جس مٹی سے اس کا خمیر اٹھا ہے اُس مٹی کی زرخیزی سے
بخوبی واقف ہوں۔ خمیر کی گود میں ایسے تسکفہ گلابوں کا کھنڈا
قطعاً باعث حیرت نہیں ہے۔

افسوس کہ میں بوجہ عدالت میاں صاحب کا مکمل کلام
نہ پڑھ سکا۔ مگر جو کچھ میں پڑھ سکا وہ بھی اتنا کافی نہیں کہ
میں شعر و ادب کی دنیا میں اس نو وارد کے روشن مستقبل
کی پیش گوئی نہ کر سکوں۔

میاں صاحب کے ہاں تخیل اور وجدان کی فراوانی ہے
وہ ایک جساس دل کے مالک ہیں۔ اور الفاظ برتنے کا ہنر
جانتے ہیں اور یہی وہ چند خوبیاں ہیں جو کسی شاعر کا سرمایہ افتخار

دیکھنا اونچے مکاں والوں کو بھی بے مام و در
آج کے چل نکلے ہیں ایسی بارشوں کے سلسلے

سچھسی جاتی ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ اگر انھوں نے اسی شوق اور
وارفتگی سے مشق جاری رکھی تو عنقریب ان کا شمار ملک کے
ممتاز شعراء میں کیا جائے گا۔

حبیب جاالب (مرحوم)

۱۸ فروری ۱۹۹۳ء

(یہ حبیب جاالب مرحوم کی غالباً آخری تحریر تھی)



”پریاس نگر میں پہلی بارش“ اتنی ہی خوبصورت کتاب ہے
جتنا خوبصورت اس کا عنوان ہے۔ ایک اُبھرتے ہوئے نوجوان شاعر
سے جس معیار کی توقع کی جا سکتی ہے، یہ کتاب اس سے کہیں
معیاری ہے۔ تجزیہ کی بلندی، لغزل کی ذراواں، لفظوں کو
کشیدہ کاری، لطیف تشبیہات، نازک استعارات اور ان کا موزوں
استعمال، عمدہ تانیہ پیمانی اور ردیف کے خوبصورت استعمال
شاعری کے اس مجموعے کو ایک عمدہ فن پائے کی شکل دیدی ہے
شاہد کوغزل اور نظم دونوں اصناف سخن پر مکمل عبور حاصل
ہے۔ مجھے ذاتی طور پر ان کی غزل نے زیادہ متاثر کیا ہے جو جہاں
اور کلاسیکی طرز کا حسین امتزاج ہے۔

شاہد بنیادی طور پر ایک رجائیت پسند شاعر ہے۔ اس کی خوبصورت
میں بھی رجائیت کا ایک واضح احساس موجود ہے۔ وہ ناامیدی میں
بھی امید کا دم باندھے نہیں چھوڑتا۔ مجھے قوی امید ہے کہ پریاس
پہلی بارش خوش وقت تفریح کی لائبریریوں میں ایک اچھا اضافہ ثابت ہوگی
محمد اسلم الحق

(لاہور)

زندگی کی تاریک اور متعفن گلیوں کا رخ کر رہے۔ اس کی سیما بی
روح مضطرب ہو چکی ہے اور نئی دنیاؤں کی تلاش میں ہے۔
مختصر یہ کہ پیس نگر میں پہلی بارش اپنے ساتھ تازہ ہوا کے جھونکے
لیکرائی ہے۔ خدا کرے کہ یہ بارش آنے والی بہت سی بارشوں کا
پیش خیمہ ثابت ہو۔

ڈاکٹر نکھت جہاں ددانی
(کراچی)

میاں لطیف شاہد اُجلے اُجلے، نکھرنے نکھرنے اور پاکیزہ
جزیوں کا ترجمان ایک نوجوان شاعر ہے جس کی ذہین آنکھوں
میں ذہانت کے جگنو چمکتے ہیں اور جس کے متین چہرے سے منت
کے رنگ جھلکتے ہیں۔ شاہد کی شاعری ایک حساس مگر زندہ
دل انسان کی شاعری ہے۔ اس کی شاعری کا کینوس بہت وسیع
ہے جس میں شرارت و ظرافت کے شوخ رنگوں کے ساتھ ساتھ
تکیر و فلسفہ کے دھیمے رنگوں کی حسین آمیزش ہے۔ اُس کی زبان
شستہ، اور خیالات عمیق ہیں۔ افتادِ طبع کے اعتبار سے وہ ایک
روہانی شاعر ہے، مگر دوسرے نوجوان شعراء کے برعکس اُس کی
دعائیت میں بھی ایک گہری اور متین حقیقت پسندی کی جھلک
ملتی ہے۔ شاہد کے ہاں زندگی کی بد صورتی کے خلاف غم و غصہ پایا
جاتا ہے۔ مگر غم شعراء کے برعکس وہ اس بد صورتی کو صرف محسوس
ہی نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے چہرے سے نقاب اُلٹ دینے کی سزا
بھی کرتا ہے۔ اُس فنِ عنفوانِ شباب کی طلسماتی فضا سے نکل کر

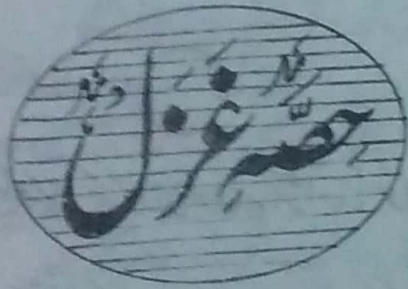
دو باتیں

لوگ کہتے ہیں کہ میں شاعر ہوں، شاعری کرتا ہوں۔ دلیل مانگتا ہوں تو کہتے ہیں کہ جس شخص کے تین شعری مجھ سے چھپ چکے ہوں۔ اور چونکہ اشاعت کے مرحلوں سے گزر رہا ہوں وہ شاعر نہیں تو کچھ کون ہے؟ میں سمجھتا ہوں کہ میرے دوستوں اور کرم فرماؤں کا مجھے شاعر سمجھنا ان کا حسن ظن ہے۔ میں نہ شاعر ہوں اور نہ کبھی بن سکیں گا۔ کیونکہ شاعر تو ایک عظیم انسان ہوتا ہے، جس کے تخیل کی کوکھ سے قوموں کا مستقبل جنم لیتا ہے اور جس کے قلم کی نوک پر دنیا کی تقدیر رکھی ہوتی ہے۔ حکمہ میں تو ایک معمولی سا انسان ہوں، جسے اپنی ذات کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ میرا کمال اگر کوئی ہے تو بس اتنا ہے کہ میں عام لوگوں کے برعکس اپنی ذات کا کرب صرف اپنی ذات تک محدود نہیں رکھتا، بلکہ اسے قلم کی زبان سے کر لوگوں میں بانٹ دیتا ہوں۔

جسے یا لوگ میری شاعری قرار دیتے ہیں، وہ چند بکھری ہوئی بے چین سوچوں، چند بگڑے ہوئے آوارہ جذبوں اور کچھ بے ربط باتوں کے سوا کچھ بھی نہیں، کبھی میری ذات کے کرب، کبھی میرے دل کی کسک، اور کبھی میری روح کی گھٹن کا اظہار بن جاتی ہیں۔ معاشرے کا زہر جب میرے احساس کی رگوں میں اترتا ہے تو میں اپنے گھائل احساس کی ٹیلیں صرف اپنے آپ تک محدود نہیں رکھ پاتا، بلکہ اس زہر کو اپنے قلم میں اتار کر گویا اپنا درد بانٹ دیتا ہوں۔ یہی میرا شغل ہے، اور اگر کوئی مُصر ہے۔ تو یہی میری شاعری تھی۔ پیاس نگر میں پہلی یادش، اچھی ہوئی تو نہیں، مگر میں پُر امید ہوں کہ کسی دن آسمان برسے گا، اور خوب برسے گا۔ میری پیاسی نگری میں کسی دن بارش ضرور ہوگی۔ موسلا دھار بارش، جس کے بعد میری ہاتھ دھرتی کی کوکھ سے بھی شگفتہ کونپلیں بھوٹینگی۔ امن کی کونپلیں، محبت کی کونپلیں، خوشحالی کی کونپلیں۔

آخر میں ان تمام دوستوں اور کرم فرماؤں کا تہ دل سے شکر ادا کرتا ہوں جنہوں نے اس کتاب کو سبائے سنوارے

۱۵



۱۴

اور اشاعت کے قابل بنانے میں مجھ سے تعاون کیا۔
میں محترم امجد اسلام امجد اور محترمہ نگہت جہاں درانی
کا از حد مشکور ہوں، اور مرحوم حبیب جالب کے لئے دست
بدعا ہوں جنہوں نے اپنی گرانبھا تحریروں کے ذریعے میری
عزت افزائی کی۔

میاں لطیف شاہ شاہد
۱۱۶۲ ہسپتال روڈ نوشہرہ کینٹ
۵ مئی ۱۹۹۳ء



دل و نگاہ میں جیسے ٹھہر گیا موسم
تمہارے بعد نہ ہر لایہ درد کا موسم
گندر چکے ہیں نظر سے ہزار با موسم
کسی کے وعدہ شب کا نہ اسکا موسم
بچھڑ گئے ہوا گرم تو مر نہ جاؤں گا
بچھڑ کے آپ سے میرے کا تھا موسم
خزاں کی رت بھی ہزاروں کیسا چلتی ہے
کہاں وہ باغ کہ جس میں ہوا ایک شام موسم
کہاں یہ وصل کی بے کیف بے مزہ گھڑیاں
کہاں وہ تیری جدائی کا خوشنما موسم
سنا ہے روز کسی کی نگاہ کے صدقے
کسی کے سن پہ آتا ہے اک نیا موسم
ترے وصال کی رت کے تو غیر کیا کہنے
ترے فراق کا موسم بھی خوب تھا موسم

اپنے افکار کے کاغذوں پہ اڑا جاتا ہوں!
میرے عرفان کے رستے میں نہ آئے کوئی

تیری دلیز پر قدم رو کے
چلنے کس سوچ میں کھڑا ہوں میں
دل سے نزدیک یار سے شاید
دور ہو کر بھی کب جدا ہوں میں



تیری صورت سے آشنا ہوں میں
یوں ہی پاگل نہیں ہوا ہوں میں
دم بہ دم مجھ کو آزماتے ہو
ایک دنیا میں کیا بچا ہوں میں
اجنبی ہے وہ خوبد لیکن
لگ رہا ہے کہ جانتا ہوں میں
ناگ دستا تو مر نہ جاتا میں
ہائے اُس زلف کا دسا ہوں میں
تیری دنیا میں کیوں رہوں اب جب
تیری محفل سے اٹھ چکا ہوں میں
چھاچھے خوشیوں کی پی نہیں سکتا
عشق کے دودھ کا حبلا ہوں میں
میری نسیب یاد سن نہیں سکتے
اور دعویٰ ہے کہ خدا ہوں میں



تجھ سے رشتہ نہ کوئی خاص شناسائی ہے
پھر بھی اک عمر سے دل تیرا تمنائی ہے
اب کے امید وفا باندھ رہا ہوں جس سے
لوگ کہتے ہیں کہ وہ شخص بھی ہر جاائی ہے
دل کی ہر بات سے انکار بھی ممکن ہے
مان لینے میں بھی اندیشہ رسوائی ہے
خود ہی وہ درد بنا، خود ہی دوا بن بیٹھا
خوب اس شخص کا اندازہ مسمائی ہے
اب کے یوں ٹوٹ کے بکھرا ہوں کسی کی خاطر
مجھ کو خود اپنے بکھرنے کی صدا آئی ہے
مانتا ہوں، تری آنکھیں بھی ڈوب دیتی ہیں
لیکن اپنے بھی خیالات میں گہرائی ہے
جا بجا خاک پہ ٹوٹے ہوئے بکھرے ہیں
خوب بلبل نے چکنے کی سزا پائی ہے
سُنکے میری وہ جواں مرگ کا بولے شاہد
کیا وہ شاعر جو میرے نام کا سودا لے ہے؟

دل اپنا شبِ محب میں رات بھر
لشکنا رہا درد کے دار پر
چھٹی تیری چوکھٹ، چھٹا اپنا گھر
محبت میں یوں ہو گئے در بدر
کبھی ہو ہی جانتی تھے غم سے رہا
سبھی مل ہی جائے گی اپنی خبر
تغافل سے بڑھتی ہیں رسوائیاں
ذرا ہم پہ بھی ڈالیں اک نظر
ہوا اپنے ہی ہاتھ سے اپنا خون
ہوا عشق کا معرکہ خوب سر
محبت میں شاہد کو اس آسکا
نہ گلشن، نہ صحرا، نہ مسجد نہ گھر

تیری نصرت ہی بھلی تھی شاید
میری چاہت میں کمی تھی شاید
سب کو بانٹی ہیں خدانے خوشیاں
میری بھولی ہی بھری تھی شاید
وقتِ رخصت نہ ملا میں ہم سے
سرخ آنکھوں میں نمی تھی شاید
ہم جو ڈوبے تو نظارہ کرنے
موت ساحل پہ کھڑی تھی شاید
تو نے چاہی، نہ جدائی میں نے
اپنی تقدیر مبری تھی شاید
عمر بھر ساتھ نبھانے کی بات
بے وفا تو نے کہی تھی شاید
زلف بکھری ہوئی، آنکھیں بوجھل
رات آنکھوں میں کمی تھی شاید

گم کر چکے ہیں عشق میں اپنا سر لگانک
دل سے جگر سے لیکے نظر تک داغ تک
پھیلے ہوئے ہیں مجھ میں شکستوں کے سلسلے
تلوؤں کے زخم زخم سے سینے کے داغ تک
تجھ سے بچھڑ کے راس اُجالے نہ آسکے؟
چھبے ہیں اب نظر میں نظر کے چراغ تک
سمجھو تو اس چمن کی ہواؤں میں زہر ہے
کرتے نہ جس چمن میں بسیرا ہوں زاغ تک

کہتے ہیں شب لطیف جہاں سگزر گیا؟
روتے نہیں ہیں یونہی سب سے ایام تک

رات بھر جس نے بھگو یا آنگن
میری آنکھوں کی جھڑی تھی شاید
ہم کو پہچان کے لو لے شاہد
تجھ سے کچھ راہ سن بھی تھی شاید



اٹھے یوں آج تیرے آستیاں سے
گذر جائے کہ جیسے کوئی جاں سے
نہ آنکھوں سے نہ کہتے ہیں زباں سے
نہ جانے کس لئے ہیں بگمیاں سے
کسی کی چاہ میں گر موت آئے
ہمیں کیا کام عمر جاوداں سے
پیکار و آج بے شک بھلیوں کو
پرندے اڑ چلے ہیں آستیاں سے
تو گائے جا طرب کے گیت اپنے
تجھے کیا میرے غم کی داستاں سے
تجھے بھی کچھ دلا دیتے ستمگر
دفا کی جنس گر ملتی دوکان سے
نہ تھا اپنے مقتدر میں ہی ساحل
گلہ کیا ناخدا سے بادباں سے
گرہیاں چاک سر میں خاک شاید
اٹھے اس حال میں گونے بتاں سے



وہاں دشمنوں نے ہمیں جان سے مارا
یہاں دوستوں نے کفن تک اتارا
نہ آئے وہ امشب، نہ ہی موت آئی
شبِ غم کی گھڑیوں کو گن گن گزارا
اُجالا کیا رُخ پہ ان کی سحر نے
سیہ رات نے گیسٹوں کو سوارا
ضروری نہیں مل ہی جائے گی منزل
اگر مل بھی جائے کسی کا سہارا
محبت کی پرخار راہوں میں اکثر
رکے بھی اگر ہم چلے پھر دو بار
شبِ ہجر نے جان لی مہچ کسی کی
وہ ٹوٹا فلک پہ نیا ایک تارا
جتنے تیری خاطر، مرے تیرے صدقے
تمہاری محبت کا ہر قرص اتارا

آپ بدلے ہیں تو اب ہم بھی بدل جاتے ہیں
عشقِ ناہام کے صدیوں سے سنبھل جاتے ہیں
صرف یہ سوچ کے پابندِ قفس بھی خوش ہیں
آشپانے بھی تو برسات میں جل جاتے ہیں
بے رُخی آپ کی حیران کئے دیتی ہے
اس قدر جلد بھی کیا لوگ بدل جاتے ہیں؟
دیکھیے بھاڑ ہی دیتے ہیں کہ سر دھنستے ہیں
لے کے اُس شوخ کی محفل میں غزل جاتے ہیں
کتنے خوش فہم ہیں عشق کے دل بھی شاید
بے وفاؤں کے ہسبانوں سے پہل جاتے ہیں

مری لاش پر آئے کہنے لگے وہ
کہاں کے ارادے ہیں، بولو خدا را
محبت کی بازی میں مت پوچھیے شاید
تو اتر سے جیتا، تو اتر سے ہارا

قریب قریب گاؤں گاؤں کو بکھو جاتے رہے
تجھ سے ملنے با عقیدت با وضو جاتے رہے
واہ رہے بیچارگی، ہم دیکھتے ہی رو گئے
اور اس ظالم کے ہاں میرے کھڑو جاتے رہے
میری نظروں میں نہیں چھتا کوئی تیرے سوا
یا جہاں رنگ و بو سے خوبو جاتے رہے
دیکھ لینا ایک دن خود پر فدا ہو جاؤ گے
یونہی گم تم آئینے کے روبرو جاتے رہے
روز ہی آتے رہے محفل میں وہ ناز آفریں
روز ہی لسیکر ہماری آبرو جاتے رہے
روک لے شاہد زباں پر مدعاے اشتیاق
پھر نہ کہنا ہاتھ سے وہ تند خو جاتے رہے



رو رو کے اپنے ساتھ جہاں کو ر لائے کون
اُس بے وفا کی یاد کو جی سے لگائے کون
تھوڑی سی عمر لاکھ غنیمت ہے اے خدا
مانندِ خضر آپ کا احساں اٹھائے کون
میں ہوں وہ اک شجر جو پھولا نہ پھل سکا
مجھے بے ثمر کی موت پہ آنسو بہائے کون
شب نیند کے عالم میں جو غلطی سے چھو لیا
تھوڑا سا کسٹمس کے وہ بولے کہ ہا کون
مانگوں نہ اپنی موت کی شاہد میں کیوں نہ
دنیا میں رہ کے زیست کے صدے اٹھائے کون



ہم کو اس شوخ کی محفل میں بلائے کوئی
بعد اک عمر کے دیدار کرانے کوئی
گو بگو ساکے زمانے میں نہ ڈھونڈیں احباب
کوئے دلبر سے ہیں ڈھونڈ کے لائے کوئی
اپنے افکار کے کا ندھوں پہ اڑا جاتا ہوں
مرے عرفان کے رستے میں نہ آئے کوئی
بات بے بات ہی رونے پہ اتر آتی ہیں
دل کے کچھ راز گر آنکھوں سے چھپائے کوئی
ضبطِ گریہ سے برا حال ہے دم گھٹتا ہے
کاش اے کاش کہ جی بھر کے رلائے کوئی
تیری دھلیز سے مر کر ہی اٹھے گا شاہد
اپنی جنت بھی بھلا چھوڑ کے جائے کوئی



جب بھی دیکھیں کہیں حسین آنکھیں
تیری آنکھوں میں ڈھل گئیں آنکھیں
یوں تو کتنی ہی دیکھ لیں آنکھیں
آب جیسی نہ مل سکیں آنکھیں
خوبروؤں کے طیش کا عالم
لال چہروں پہ آتشیں آنکھیں
چین آتا نہ نیند آتی ہے
جب سے دیکھیں وہ شرمگیر آنکھیں
زندگی بھر نہ بھول پائیں گے
دل میں کھبتی وہ دلنشیں آنکھیں
بس وہ آنکھوں کا رہ گیا ہو کر
جس کی آنکھوں میں بس گئیں آنکھیں

وصل کی رات کا فسانہ ہے؟
صبح دم کی وہ احمدی آنکھیں
تجھ سے بلکہ تو چین کیا پائیں
اور تھوڑی سی نم ہوئیں آنکھیں

دام گیسو ہی کم نہ تھا شاہد
اور اس پر یہ سُر مہ گئیں آنکھیں



محبب عشق میں ماحب را ہو گیا
مرا دل ہی مجھ سے جدا ہو گیا
نئی بات کیا اس میں کیا ہو گیا
اگر وہ جس میں بے وفا ہو گیا
ترا غم چھٹا بھی تو قلب حزین
غلم دھرتے آشنا ہو گیا
نقاب اُس نے پہنا، بڑا کیا کیا
کسی کی نظر کا جھلا ہو گیا
سدا اُس نے کی آرزو قید کی
جو ان گیسوؤں سے رہا ہو گیا
نچا اور ہوئی زندگی آپ پر
حق زندگانی ادا ہو گیا
وہ محفل میں آکر لگا بیٹھنے
ہمیں دیکھتے ہی کھڑا ہو گیا



مخمل کو غالب رکھو جذبات پر
چھوڑ دو پھر سب خدا کی ذات پر
خوشی بہتر ہے ایسی زلیلت سے
منحصر جینا ہو جب حالات بہتر
جاں سے بڑھ کر تھا، جو نکلا ہو فنا
اعتبار اب ہو تو کس کی ذات پر
ایک اک لمحے سے حفظ کر لوں کشید
کیا بھر دسہ وصل کے لمحات پر
مُسکرا کر کیوں مے ہم غم سے
اب کے روٹھے ہیں فقط اس بات پر
بے وفا شاہد تری تقدیر تھی؟
چھوڑ دے پڑھنا لکیریں بات پر



نگاہوں میں یوں آ بسا وہ صنم
کہ دُنیا ئے دل کا خدا ہو گیا
کہاں اب وہ شاہد کہاں شاعری
وہ شاعر تو کب کا فنا ہو گیا

لوگ لوگوں سے گلے ملتے ہیں
شیخ حوروں سے گلے ملتے ہیں
درد و آلام سدا ہنس ہنس کر
عشق والوں سے گلے ملتے ہیں
عید کے دن کا کہیں کیا جب ہم
آپ جیسوں سے گلے ملتے ہیں
تجھ سے ملنا بھی عجب تھا جیسے
خواب خوابوں سے گلے ملتے ہیں
ہم سے پوچھا یہ فقط کیسے ہو
اور غیروں سے گلے ملتے ہیں
پھر جدائی کی گھڑی ہے شاہد
داغ زخموں سے گلے ملتے ہیں



تیری چاہت میں یہ میرا ہی ہے
سارے عالم سے آشنائی ہے
جینے مرنے کا سلسلہ کیا ہے
قید کیا چیت کیا رہائی ہے
درد پہلو میں اور جنوں سر میں
زندگی بھر کی یہ کمائی ہے
ہم کو تدبیر کیا صلہ دے گی
ہم نے تقدیر آزمائی ہے
مجھ میں چھپ کر کبھی تم نمایاں ہو
کتنی مستور خود نمائی ہے
ہم کو چھوڑا، رقیب کو تاراً
خوب انداز بے وفائی ہے
ساری محفل سے مل چکے ہنسکر
ہم سے کس بات کی لڑائی ہے
راہ الفت میں زندگی شاہد
ہم نے ہر کام پر لٹائی ہے



ہمارے دل کے شیشے پر ہی آخر کیوں غبار آئے
تمہاری بزم سے آئے ہیں جو، وہ سوگوار آئے
عجب طرز تغافل ہے عجب انداز الفت ہے
بلانے سے نہ آئے، بن بلانے بار بار آئے
یہ اک زنجیر جو زیر کفن رکھی ہے کیسی ہے
ہم ان کے عشق کی زنجیر تو مر کر اتار آئے
محبت کی کہیں راہوں پہ چل نکلا ہوں جب اکبار
بھلے اس راہ میں اب خار آئیں یا کہ دار آئے
یہی ہم سوچ کر اظہار الفت کا نہیں کرتے
انایوں آپ کی آمادگی کے زیر بار آئے
زدکیا مچھری سمجھی شاہد سا عاشق اس زمانے نے
زمانے میں اگرچہ یوں تو عاشق بے شمار آئے



○
رہ گئے بچھ کر تیری آمد پہ میخانے بھی
میکشوں نے توڑ ڈالے اپنے پیمانے بھی
جب سے پھیلا شہر میں چرچا تمہارے حسن کا
بس گئے شہروں میں اب گل کے دیوانے بھی
تیرے آتے ہی بیکار شمع محفل کچھ گئی
تیرے رخ پر مئے طمخفل میں پروانے بھی
تیرے ہوتے شہر سوتا تھا ہمارے آس پاس
تو جو بچھڑا بن گئے احباب بیگانے بھی
ہم سے دیوانوں پہ کیا پند و نصائح کا اثر
آ رہے ہیں دوست کیوں بیکار کچھ بھی
اپنی چاہت کے سبھی قصے امر ہو جائیں گے
زندگی بھر لگ دھرا ننگے افسانے بھی
زندگی بھر منہ نہ جن احباب نے دیکھا مرا
اب چلے روتے ہوئے محکومہ دفنا بھی
تیری وحشت ہی کے دم سے تو یہ سب باد تھے
ڈھونڈتے پھرتے ہیں شاہد محکومہ دیرانے بھی

○
ہم نے گمراہی سے جُبدائی کی
آپ نے بھی تو بے وفائی کی
کون پہنچا تیری حقیقت تک
سب نے تقدیر آزمائی کی
ہم نے اس بُت کی آشنائی کی
ہائے کتنوں سے آشنائی کی
یا الہی تیری خدائی میں
سب نے مقدور بھر خدائی کی
داستانیں ہیں خور و غلماں میں
تیری آنکھوں کی دلربائی کی

موت بس موت دمِ الفت سے
ایک تدبیر ہے رہائی کی

آسے دل آشفته جھکتے ہیں کہیں اور
اس شہرِ خرابی سے نکلتے ہیں کہیں اور
دوری میں خود و سال کی کرتے ہیں آرزو
پہلو میں ہوں تو دور رہتے ہیں کہیں اور
گیسو بھی اُس کے شونخ میں اُس شونخ کی مانند
بہنتے ہیں میرے ہاتھ بگرتے ہیں کہیں اور
اُس بے وفا کی بات یہ کہو مگر جو اعتبار
چھیتے ہیں میرے عشق میں مرتے ہیں کہیں اور
مانا کہ بے وفا ہیں مگر سہمک نہیں
روتے ہیں مجھ پہ سامنے بہنتے ہیں کہیں اور
کس درجہ بے گام ہیں تیری نظر کے تیر
لگتے ہیں مہری آنکھ میں چھتے ہیں کہیں اور
شاہد یہ حسین لوگ تو ہیں برق کی مانند
گرتے ہیں کہیں اور چمکتے ہیں کہیں اور

کیوں نظر ناشناس رہتا ہوں
کیوں ترے آس پاس رہتا ہوں
کیا خبر اس کو کچھ خبر بھی ہے؟
جس کی خاطر اداس رہتا ہوں
تم جو پہلو میں بیٹھ جاتے ہو
اس لئے بدحواس رہتا ہوں
کیوں نہ دعویٰ کروں خدائی کا
میں بھی اک دل کے پاس رہتا ہوں
حق کے جاؤ گے آنکھ سے کیسے
اب تو میں گھر کے پاس رہتا ہوں
اُس کو اکبار دیکھ کر شاہد
موتوں محو یا اس رہتا ہوں!

انداز و نازِ حسن کی بابت نہ پوچھیے
بیچارگی و عشق کی حالت نہ پوچھیے
فریادِ دردِ قلب تو دستورِ عشق ہے
دردِ نہانِ قلب کی لذت نہ پوچھیے
کٹ کہ بدن کی شاخ سے گرنے لگیں
مجھ بگ بے بہار کی قسمت نہ پوچھیے
جینے کو جی رہے ہیں مگر وائے دردِ دل
جینے پہ اپنے فرطِ ندامت نہ پوچھیے
جرم و ہوس کے دور میں، مادے کے عہد میں
مہر و وفا، خلوص کی قلت نہ پوچھیے

مانا کہ شہر بھر سے عداوت رہی مگر؟
شاہد سے انکی خاص عداوت نہ پوچھیے

عجب اُن سے ملنے کی دلکش گھڑی تھی
مگر ان کو جانے کی جلدی پڑی تھی
وہ آئے تو تھے مجھ سے ملنے مگر کب؟
میری موت جب میرے سر پر گھڑی تھی
تجھے آشنا دیکھ کر سوچتا ہوں
میری آنکھ تجھ سے کہاں کہے ہی تھی
یہ مانا کہ یوں دل نہ دینا تھا اس کو
وہ بد خو مگر خوبصورت بڑی تھی
دمِ رخصتِ یار، بارش کہاں تھی
لگی آنکھ سے آنسوؤں کی بھڑی تھی

وہ لڑکی تھی شاہد کہ بر تو دھنک کا
کہ رنگوں بھری اک حسین پھلجڑی تھی

○
حقیقت خواب ہوتی جا رہی ہے
دقانا یاب ہوتی جا رہی ہے

اٹھا دیں رخ سے اب انچل خُدارا
بگمہ بتیاب ہوتی جا رہی ہے

کسی پر جان دینے کی روایت
بہت کمیاب ہوتی جا رہی ہے

گھٹا پرسی ہے یوں آنکھوں سے دل کی
زمین سیراب ہوتی جا رہی ہے

کسی کی سُر مگیں آنکھوں میں شاہد
آنا غرقاب ہوتی جا رہی ہے
○

○
ازل سے ہے رواں دواں، کبھی یہاں کبھی وہاں
یہ زندگی کا کارواں، کبھی یہاں، کبھی وہاں
کبھی وہ ہم پہ مہرباں، کبھی وہ تم پہ مہرباں
وہ گیسوؤں کا سا تباں، کبھی یہاں کبھی وہاں
گئے نہ ہم کہاں کہاں، ملی نہیں کہیں اماں
لیے پھرے ہیں آشیاں، کبھی یہاں کبھی وہاں
عجب ہوئی مہری بستر، ملا نہ کوئی اپنا گھر
نہ یہ ملا، نہ وہ جہاں، کبھی یہاں کبھی وہاں
یہ مثل برگ بے شجر، اڑے پھرے ہم گھر پھر
نہ کچھ پتہ، نہ کچھ نشان، کبھی یہاں کبھی وہاں

مری حیاتِ محبت کا جام بھر ہی گیا
جفا کا زہرِ رسا مجھ پہ کام کر ہی گیا

کسی مقام پہ رکنا مجھے قبول نہ تھا
تہاری بزم سے نکلا تو دامِ پر ہی گیا

کسی کی نظرِ کرم کام کر گئی آخِر
مری حیات کو اک شخص شاد کر ہی گیا

تمام رات ہی آنکھوں میں ڈوب کر گزری
یہ سیل رات کے چھلے پہر اتر ہی گیا

وہ بد نصیب سا، گمنام سا شاعر شاہد
جو تجھ پہ جان چھڑکتا تھا آج مر ہی گیا

ہم سے پوچھے کوئی اس بُت سے ملاقات کی بات
رنگ اور نور میں ڈوبی ہوئی اس رات کی بات

آج بے ساختہ اک شخص کی یادوں کے طفیل
میری آنکھوں میں اتر آئی ہے برسات کی رات

مجھ کو غیروں کی روایت یہ پرکھتے کیوں ہو
مجھ سے چھپڑو تو فقط اپنی روایات کی بات

وہ جو کس بھی ہے، نادان بھی ہے، بیگانہ بھی
خاک سمجھے گا بھلا گرمی جذبات کی بات

روز کہتا ہے کہ امشب وہ ملے گا ہم سے
مقبول جاتا ہے وہ ہر رات ملاقات کی بات

تھجکو تری نگاہ نے قابل بنا دیا
مجھ کو مری نگاہ نے سہل بنا دیا

اوروں سے سیکھ سیکھ کے آدابِ عاشقی
خود کو تمہاری ہزم کے قابل بنا دیا

آلام و درد و سوز و غم و بیقراریاں
بھجا ہوئیں تو لیکے سرا دل بنا دیا

پھرتے ہیں لے کے کا سہ اتیہہ در بہ در
خواہش نے تیری دید کی سائل بنا دیا

ہم نے نہ کر کے عرض تمنا ترے حضور
خود کو ہی اپنے آپ کا قابل بنا دیا

کریں ہم کو بدنام انگریزائیاں
کسی کی لبِ بام انگریزائیاں

پر چھاپے کا پیغام بھجکتی کمر
جوانی کا پیغام انگریزائیاں

رگیں دل کی سب کھینچ گئیں دفعتاً
نہ لہیں یوں سرعام انگریزائیاں

چمکنے دیکھنے لگا سیکہ
اٹھالیکے جب جام انگریزائیاں

کریں جان شاہد پہ کچھ رحم تو
نہ لیں یوں بہ ہر کام انگریزائیاں



درد و آلام محبت نے یہ احسان کیا
ہم کو آیام کی گردش سے تو انجان کیا

لوٹ کر لے گیا سب زہد کی پونجی زاہد
ہائے کس چور کو شب اپنے ہمان کیا

ہم نے خود اور نہ جینے کی قسم کھائی تھی
آپ نے اور بھی اس کام کو آسان کیا

اپنے پندار محبت کا مہر م رکھنے کو
دل کے ہر داغ کو اک پھول کا عنوان کیا

درد و آلام جہاں کم نہیں تھے مجھ پر
درد دل دیجے مجھے اور پریشان کیا



کسی کو جو کسی کو جھانے لوٹ لیا
ہیں تو عشق میں رسم و فانی لوٹ لیا

نظر مل کے بھی نظریں چرائے جاتے ہو
ہیں تو آپ کی اس اک ادا نے لوٹ لیا

نہ پوچھے عشق میں عالِ تباہی عشاق
کسی کو زیست کسی کو قضا نے لوٹ لیا

تیرے شباب کو آخر نظر لگی کس کی؟
مجھے تو خیر خود اپنی امانے لوٹ لیا

گھر ہو ہم کو بھلا رہا بہن کیا شاہد
ہیں تو راہ میں خود رہتا نے لوٹ لیا



غم کو احساس کی مٹی میں خدانے گوندھا
اور کچھ اشک ملائے تو پھر انسان کیا

ہم نے ساقی کا بھی احسان گوارا نہ کیا
خونِ دل پی کے سدا عیش کا ساما کیا

اپنے اشعار کی خوشبو میں بسا کر شاہد
ہم نے صحرائے محبت کو گلستان کیا



میری نظروں کے ٹھکنے کو نہ امت مت سمجھ لینا
میرے خاموش رہنے کو خیالت مت سمجھ لینا

ملا ہوں اجنبی بن کر کہ تم رسوا نہ ہو جاؤ
میری اس بے نیازی کو حقیقت مت سمجھ لینا

محبت کا بھرم رکھنے کو ملتا ہوں مروت سے
مروت کو کہیں میری محبت مت سمجھ لینا

پلٹ کر پھر جھپٹنا ہی تو دل والوں کی فطرت ہے
پلٹ جانے کو تم میری ہر محبت مت سمجھ لینا

محبت کی ہے کچھ تیری پرستش تو نہیں کی ہے
محبت کو مری اپنی عبادت مت سمجھ لینا

زمانے کے قدم سے گر ملانا ہے قدم شاہد
تو اس در ماندگی کو اپنی قسمت مت سمجھ لینا



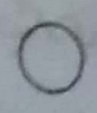
سوچتے ہوں یہ تو اُس مغرور کا شیوہ نہ تھا
مجھ سے ملنے وہ مری دہلیز تک آیا نہ تھا

آپ سے مل کر مٹی ہے دائمی شہرت نصیب
شہر میں رسوا تو تھا پہلے مگر اتنا نہ تھا

اپنے ہرجائی کی رُودادِ محبت کیا کہوں !
ساری دُنیا کا تھا لیکن ایک وہ میرا نہ تھا

یوں تو دیکھے سینکڑوں ایسے کہ دیکھا کیجئے
سچ مگر یہ ہے کہ کوئی خوبو مجھ سا نہ تھا

مجھ سے مل کر اُس کی آنکھوں میں جھک سی گئی
لاکھ ہرجائی سہی لیکن مجھے سولہ نہ تھا



یوں ہی کٹ گئی وصل کی شبِ مہمانی
کبھی میں نہ مانا کبھی تو نہ مانی

تہااری محبت نے جینا کھلایا
برتنی ہمیں آگئی زندگانی !
مری موت کا سن کے کہنے لگے وہ
سنلے کہ عاشق بھی تھا انجہانی

اگر دل کو تڑپانا ہے تیری عادت
تڑپنا ہے اس دل کی عادت پرانی

زبانے کا دل بھر چکا شیخ صاحب
زہیر اپنی حوروں کی لمبی کہانی



سوچتے تو آپ سے رُوحوں کا بندھن تھا ہر
دیکھتے تو آپ سے میرا کوئی رشتہ نہ تھا

نظرتوں کے پیر کیوں دل میں تناؤ دین گئے
میں نے دل میں نظرتوں کا بیج تو بویا نہ تھا

ساری دنیا چھوڑ کر جس شخص کو اپنا کہا
دلے نادانی کہ وہ بیدرد بھی میرا نہ تھا

تیری نظرتوں کا تغافل سہہ نہ پایا ایک!
وہ نہ شاہد زندگی میں آج تک رویا نہ تھا

یوں تو رونے پر سدا قادر ہوں
اپنی قسمت پر مگر صابر ہوں

میرے دشمن پر نوازش مت کر
قتل کرنا ہے تو میں حاضر ہوں

رخم جی بھر کے لگانا مجھ کو
درد سہے میں بہت ماہر ہوں

مجھ کو صہبانا نہ سمجھنا، رندو!
میں تو اک زہر بھرا ساغریں ہوں

زندگی بھر جے پو ما شاہد!
اس کا فتویٰ ہے کہ میں کا فر ہوں



جب تک چلتے ہیں تیری رنجشوں کے سلسلے
تب تک جائینگے اپنی کاوشوں کے سلسلے

جب تک تو درمیاں ہے یونہی چلتے جائینگے
میری چاہت اور عذو کی سازشوں کے سلسلے

دیکھنا اونچے مکاں والوں کو بھی بے بام و در
اب کے چل نکلے ہیں ایسی بارشوں کے سلسلے

توڑ ڈالیں گے کسی دن رسم خاموشی وہ خود
دیکھتے چلتے ہیں کب تک بندشوں کے سلسلے

زندگی کی دڑ میں رکتے ہیں شاہد دیکھتے
جانے کس منزل پہ میری خواہشوں کے سلسلے



نہ سمجھ سکا ہے جنہیں کوئی یہ وہ بود و بست کے راز ہیں
جو فرانتھے وہ نشیب ہیں، خوشی تھے وہ فراز ہیں

نہ سنا مجھے مرے نغمہ گز نہیں مجھ پر اس کا کوئی اثر
مجھے سوز کی بھی طلب نہیں مرے سوز میں کئی سا رہیں

تجھے زلم من و جمال پر مجھے ناز عشق و وفا ہے
میری دشتوں کے یہ سلسلے، تیری رُلف سے بھی دراز ہیں

غم و بحر و در و فراق ہی دل زار کے لئے کم نہ تھے
یہ سنگروں کی رفاقتیں بھی عجیب دلوں کے ہیں

ہر عشق تشنہ کمال ہے ترا حسن تشنہ جمال ابھی
میرے عشق میں کئی بھید ہیں ترے من میں کئی راز ہیں



دشمنوں کو بھی نہ دے قسمت خدا میری طرح
اپنے محور سے نہ ہو کوئی جدا میری طرح
شہر بھر کے بوفا لوگوں سے ملنا چھوڑے
کون چاہے گا تجھے لے لے وفا میری طرح
اس زمیں اور آسماں نے آج تک دکھا نہ تھا
سنگدل تیری طرح، سنگ آزما میری طرح
یوں تو وامق، قیس اور فرہاد بھی بدنام تھے
عشق میں لیکن کوئی رُسوا نہ تھا میری طرح
میری ہستی سے مماثل ہے فقط مسروں کا پھول
ناتواں سا، مضمحل سا، زرد سا میری طرح
اسکی صورت دیکھ کر محسوس ہوتا ہے لطیف
ہجر کا موسم اُسے راس آگیا میری طرح

کبھی اہل محبت نے جھکایا ہی نہیں
آب مانے جو نہیں ہم نے منایا ہی نہیں
دل میں رہتے ہو فقط دل سے لگایا ہی نہیں
گھر کے مالک ہو فقط گھر میں بسایا ہی نہیں
خود سے ہم حال دل بے قرار کیا کہتے
تم نے پوچھا ہی نہیں ہم نے بتایا ہی نہیں
کچھ تو اپنی بھی وہ پہلی سی نگاہیں نہ ہیں
اور کچھ اپنے خود کو بھی سجایا ہی نہیں
خاک محفل میں دم غیر سے رونق آتی
جس کے اعزاز میں محفل تھی وہ آیا ہی نہیں
یہ تو ہے کہ کبھی یاد نہیں آو گے
یاد آئیگا وہ کیا جسکو بھلایا ہی نہیں
ہو نہ ہو اپنی محبت میں تھی شاید
ہم یہ لوگوں نے کبھی سنگ اٹھایا ہی نہیں
جانے کس بات پہ شاید سر شکر گال چمکا
ایک آنسو جو کبھی آنکھ میں آیا ہی نہیں



خود کو تیرا حق سمجھ لوں گا ادا ہو جاؤں گا
 تیری چاہنت میں کسی دن یوں فنا ہو جاؤں گا
 تیری دنیا سے نکل کر کچھ نہیں رہ پاؤں گا
 دشمنوں کے مُرنے سے نکلی یہ دُعا ہو جاؤں گا
 یونہی گرتے مگر اکر چھپڑنے آتے رہے
 دیکھ لینا ایک دن تم پر فلا ہو جاؤں گا
 وحشتیں دل کی اسی صورت اگر برہتی ہیں
 وحشت بن کر دل جلوں کا آسرا ہو جاؤں گا
 وائے گرتیجہ سے مرا اللہ ہو سکتا نہیں
 خود ہی مجھم خود ہی میں اپنی نزل ہو جاؤں گا
 تیری رُخسوں سے رہانی ہو رہے گی کیون
 زندگی کی قید سے جس دن رہا ہو جاؤں گا
 تو نے گر سوچی نہ تھی مجھ سے الگ ہو جی تھی
 میں نے کب چاہا تھا یوں تجھ سے جدا ہو جاؤں گا



تم سے بے حس کو رام کر بیٹھے
 عشق والوں میں نام کر بیٹھے
 ہم نے ہنس ہنس کے جو چھپایا تھا
 آپ رورو کے عام کر بیٹھے
 ہائے کس بے وفا کے وعدوں پر
 زندگانی تمام کر بیٹھے
 لوگ مر کر ہی نام کرتے ہیں
 ہم تو جی کر بھی نام کر بیٹھے
 دن ڈھلا دھوپ ڈھل چکی تھی
 خوب آئے ہو شام کو بیٹھے



لائے نہ جوئے شیر تو کیم ہی سہی
اس ہمارا عشق کوا کی نام ہی سہی

دلہیز پار چھوڑ کے جانا نہیں قبول
بدنام ہو سے میں تو بن نام ہی سہی

ساغر سے گر پلاؤ تو نی جاؤں تم کے ختم
آنکھوں سے دے سکو تو پھر کجا رہی سہی

تیری جفا کا ذکر اگر عام ہو چکا
میری وفا کا حال بھی اب عام ہی سہی

تم کو کسی کا نام ملے زبے نصیب
میں تو وفا کی لاش ہوں گمنام ہی سہی

نازاں ہوں اپنی موت پہ شاہد وہ میرا
میت کے ساتھ ساتھ تھا دو کام ہی سہی

اپنی تنہائی کی شدت کیا کہوں لے بیونہا
یہ نہیں گریز تنہا رہا اک دن خدا ہو جاؤں گا

غیر سے کہتا ہے مجھ کو شاموں کے یہ غرض
مفت میں شاہد سے مکرے مزا ہو جاؤں گا



۶۸
دستی ہیں نے حواس ہیں انکی گلی کے لوگ
بے رنگ و بو و باس ہیں انکی گلی کے لوگ

سجدے میں کچھ رکوع میں تو کچھ ہیں قیام میں
کتنے خدا شناس ہیں انکی گلی کے لوگ

مخزوں میں سو گوار میں کچھ اشکبار ہیں
پوچھو نہ کتنے خاص ہیں انکی گلی کے لوگ

رسوائیوں کے خوف سے کچھ کچھ ملول ہیں
کچھ فطرتاً ادا اس ہیں انکی گلی کے لوگ

اس بُت کے بام و در سے شناسا تو ہیں مگر
خود سے بھی ناشناس ہیں انکی گلی کے لوگ

شاہد کو روک پائیں گے ایسا بھی اب نہیں
مانا کہ خاص خاص ہیں انکی گلی کے لوگ

۶۹
کہاں لیجاٹے اسکو وہ کس صورت پہل جائے
تمہاری زلف کے سائے میں آکر بھی جو مل جائے

وہ اتنا شوخ ہے، معصوم سے محشر بداماں ہے
خزاں کی رت بھی جس کو دیکھ کر یکدم بدل جائے

اجل سر پہ کھڑی ہے، اور تو آتا نہیں لگتا
ہو کیا امید اب ایسی کہ کچھ حالت سنبھل جائے

بڑھاپے میں بھی جا کر اسکی کب فطرت بدلتی ہے
حسینوں کے تعاقب میں جوانی جسکی ڈھل جائے

اسی امید پہ ہر روز اس محفل میں جاتا ہوں
کسی دن اس ستمگر شخص کی نیت بدل جائے

صنم کو دیکھ کر شاہد غزل کہدی تو وہ بولے
کھا کر مال لاؤ، مہاڑ میں تیری غزل جائے

ذرا خیال سے اس کا زہم بھر دینا
یہی تو واعظِ خانہ خراب ہے ساقی

حسین و مست و گل اندام سے پری پکیر
کسی عظیم صورت کا خواب ہے ساقی

شراب پی کے یہی بول اٹھا شاہد
کتاب زلیت کا گلزنج باب ہے ساقی

بگاہِ مست سے پینا سراب ہے ساقی
پلکے جام سے مقصد شراب ہے ساقی

بجا ہے واعظِ ناصح تمہاری بات مگر
تمہاری بات کا سادہ جواب ہے ساقی

کسی کے سجدہِ مستی سے بدگمانی کیوں
خدا نقاب میں اور بے نقاب ہے ساقی

خمار بچے جو پیالے سے آگیا لب تک
یہ کیا حسین و عجب انقلاب ہے ساقی

شہد کی دودھ کی نہریں حسین جو ریں بھی
یہ سب بجا ہیں مگر لا جواب ہے ساقی



جب تک تن میں ایک سانس رہی
تیری آمادگی کی آس رہی

درد و آلام بانٹنے والے
ہم پہ تیری نگاہِ خاص رہی

زندگی موت کی امانت تھی
ہاں یہ گروی تمہارے پاس ہی

آپ کے دُور دُور رہنے سے
زندگانی بہت اُداس رہی

ہم وفادار تھے شاہدِ لکین
آپ کی آنکھ ناشناس رہی



مئے کا جتنا سُرد رہتا ہے
سب بقدرِ شعور ہوتا ہے

ختم لُغٹھانے میں کچھ ہمارا بھی
کچھ تمہارا تصور ہوتا ہے

سچ تو یہ ہے کہ دیر سے کعبہ
گام دو گام دور ہوتا ہے

جو نکلتا ہے اُن کی محفل سے
وہ ہی مستی میں چور ہوتا ہے

اُن کے لب ہائے احمر میں چھو کر
بن پئے ہی سرد ہوتا ہے



ان کو خواہش ہے دل لگانے کی
ہم کو عادت ہے غم اٹھانے کی

اور موضوع گفتگو کیا ہو
بات کر لیں شراب خانے کی

مجھ سا بے ننگ اور جنت میں
بات کرتے ہو مسکورانے کی

سب کو جنت نشین کر دیتے
کیا ضرورت تھی آزمانے کی

دے کر اک حجام دست نازک سے
گردشیں روک لوزمانے کی

کسی سے پیار ہوتا جا رہا ہے
یہ دل بیمار ہوتا جا رہا ہے

نوید انقلاب وقت لانے
قلم تلوار ہوتا جا رہا ہے

رہا ہے جو کبھی اس دل کا دشمن
وہ اب غمخوار ہوتا جا رہا ہے

اتر کر شیخ بھر بے خودی میں
عجب سرشار ہوتا جا رہا ہے

ادب کے ناتواں شانوں پر شاہد
سخنور بار ہوتا جا رہا ہے

٤٤
چھوڑ کر ہم کو جو غیروں سے ملو گے پھر بھی
یہ تو طے ہے کہ تمہی دل میں رہو گے پھر بھی

بھول کر عہد وفا، لاکھ نگاہیں بدلو!
دل کے گلدان میں اک تم ہی جو گے پھر بھی

اشک شکر مری آنکھوں سے سکتے کیوں ہو
چشمِ خوں بار میں اک تم ہی بسو گے پھر بھی

کیا ہو اہم کو اگر دل سے نکالا تم نے
دل پہ اک چپ سی قدموں کی سلو گے پھر بھی

لاکھ غیروں سے مراسم میں اضافہ کر لو
مجھ کو معلوم ہے میرے ہی رہو گے پھر بھی

کب تلک درد بساؤ گے جگر میں شاہد
کب تلک حلقہ یاراں میں ہنسو گے پھر بھی

٤٥
بھولوں سے خود کو عشق میں کمتر نہ دیکھتے
کیونکہ ہم اپنے نام کا پتھر نہ دیکھتے

مشرکے دن کا خاک بھی ہو ناہ اعتماد
چھپ کر جو تیری نیند کا منظر نہ دیکھتے

ہم بے خبر تھے، مفت میں پتھر کے ہو گے
اے کاش دل کے نہر میں مڑ کر نہ دیکھتے

مگر بھی اپنے قتل کا آمانہ کچھ لفتیں
یاروں کے ہم جو ہاتھ میں خنجر نہ دیکھتے

نیری عطا کی زیست میں جینا محال تھا
ہم اہلِ ظرفِ عشق میں مگر نہ دیکھتے

شاہد جو اپنی ذات پہ ہوتا کچھ اعتماد
ہر قدم پہ اک نیار بہر نہ دیکھتے

کیوں نہ اے دوست تجھے دوست سے جاناں کر لوں
اس قدر ٹوٹ کے چاہوں کہ رگِ جاں کر لوں

وہ تو آئیں گے نہیں کیوں نہ پھرانے قلبِ حزیں
درد کو، سحر کی شب آپ کا مہماں کر لوں؟

وہ تو گھر چھوڑ کے جانے پہ مُصر لگتا ہے
اپنے اشکوں سے ہی اب گھر کو فرزاں کر لوں

تم سے ملنا تو اب اس زیست میں ممکن نہ رہا
تیری یادوں سے ہی اب زیست کا سماں کر لوں

بات بے بات جو اک پل میں رُلا دیتا ہے
ایسے بیدرد سے کس بات کا پیمان کر لوں

شوق کہتا ہے کہ واغظ کی اطاعت چھوڑوں
سرکشی چھوڑ کے اب بیعتِ خواباں کر لوں

۷۸
دارو رسن پہ رونقِ مقتل کسے نصیب
باخفوں سے آنکھے زہرِ کلاہل کسے نصیب

دنیائے بہت و بُد میں کل کی کسے خبر
کرنا ہے جو وہ آج کرو کل کسے نصیب

پھرتے ہیں شہرِ شہر ہم عشاقِ دور نو
اس دورِ شہر ساز میں جنگل کسے نصیب

اک پل بھی وصلِ بارِ غنیمت ہے زیست میں
پہلو میں اس حسین کے اک پل کسے نصیب

پینا تو بے قرار ہے لیکن بظُرِ نو
پیتے ہیں دل کا خون کہ تو بول کسے نصیب

شاہد اسی کے دم سے اُجالا سے دہریں
اس تیرگی میں فکر کی مشعل کسے نصیب



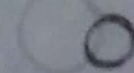
ہم کو کافی یہ جان دینے کو تیری آنکھوں کا اٹھا ہے
دل جگر جان زندگی کیا میں جو بھی میرا ہے سب تہا ہے

تم جو نس نس کے پیار کی بازی اجیت جانے کی تاکتے ہو
میری تربت بڑھکھینا اگر کون جتیا ہے کون ہا رہے

دست قدرت کا ایک یہ احساں میری در ماندگی یہ کیا ہے
آپ جیسوں کو چاند کی صورت میرے آنکھ میں لا آتا رہے

اُن کا ہانا بھی اک قیامت تھا لوٹ آنا بھی اک قیامت ہے
ہم کو محشر سے مت ڈرا و اعظا ہم نے محشر کا دن گذلا ہے

اکھ ہنکھ موز مانسے سے چھپ نہ پایگی دل کی بی تانی
رات جگے ہو دینک شاہد شرح آنکھوں سے اٹھارہ



شراب و شیر کی حودوں کی پیاس بھنے ہے
بگاہ شعلی میں جنت کی آس بھنے ہے

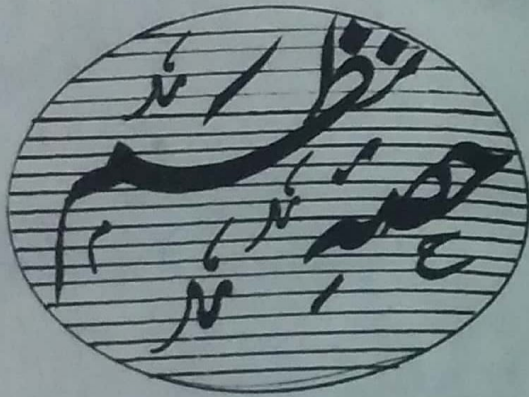
فنیم دقت سے کہہ دو کہ چھین لے سب کچھ
کسی کی یاد مگر دل کے پاس رہنے ہے

شب فراق اندھیری تو ہے مگر چھپ رہی
کوئی چراغ جل اٹھنے کی آس رہنے ہے

نہ آ قریب مگر خود سے دُور بھی مت کر
نظر سے دُور مگر دل کے پاس رہنے ہے

ستمگروں پہ وفاؤں کا کیا اثر شاہد
وہ دلربا ہے و فانا شناس رہنے ہے





بجلا دیں اہل جفا گر لاکھ سراشعار کی ترکیبیں
 ریگی اہل وفا کو یاد سدا شاہد کی غزل خوانی

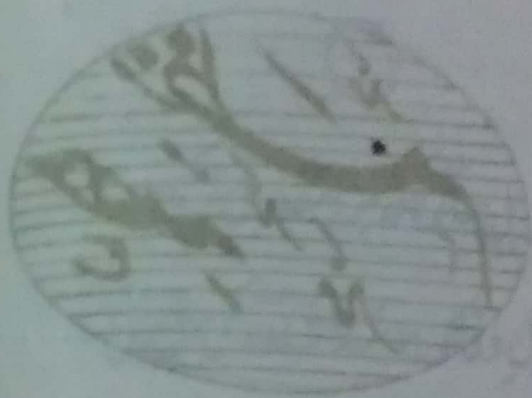
قاتل

ہاں میں اپنی انا کا محب مہوں
ہاں میں اپنی خودی کا قاتل ہوں

وہ جو جذبوں سے لڑ نہیں سکتے
ہاں میں اُن کی صفوں میں شامل ہوں

ایک انساں کے در پہ سر رکھ کر
میں نے اپنا غرور کیوں کھویا؟

وہ جو میری انا کا ضامن تھا
میں نے اُس دل کا مان کیوں پھوڑا؟



اب جو چاہے تو وقت کا نصف
مجھ کو میری سزا سنا ڈالے

اب جو چاہے تو وقت کی تلوار
تن سے میرے یہ سہرا ڈالے



میں جو غیروں پہ خوب ہنستا تھا
آج اپنی ہنسی پہ روتا ہوں

میں جو پھولوں کے بیج لوتا تھا
آج کانٹوں کے بیج لوتا ہوں

پر میں کرتا تو اور کیا کرتا
دل پہ فرقت کا زخم تازہ تھا

بے انائی جو رسم الفت تھی
بیخودی عشق کا تقاضا تھا

آج انصاف کے کٹہرے میں
پا بہ زنجیر ہوں، تکیوں بردوش

منظر ہوں کہ کچھ ملے تعذیر
ہمہ تن گوش ہوں کھڑا خاموش

یہ کلنگوں لبوں سے ٹپکتا ہوا اس
یہ گردن کہ جسکی نظر آئے نس نس
یہ عارض کی سرخی، یہ آنکھوں کے برس
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

یہ پلکوں کی جھلکیں آنکھوں کی جھلکیں
یہ کلفام چہرہ، یہ رخسار کا تیل
یہ ہاتھوں کے گجے، یہ پیروں کی پائل
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

مہرباں نگاہوں کی وارفتگی بھی
مہکتی ہوئی زلف کی چاندنی بھی
یہ سیمیں بدن کی سبک شاعری بھی
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

ڈھلکتا ہوا سر سے بے چین آنچل
یہ نازک کمر اس پر زلفوں کا بادل

ذرا پھر سے کہنا

کنوائے بدن کی یہ مانوس خوشبو
نگاہوں کا طلسم، اشاروں کا جادو
ستارہ جبیں پر یہ محراب آبرو ؟
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

یہ مستی بھری شوخ الہط جوانی
یہ مخمور لمحوں کی گھڑیاں سہانی
یہ بے چین پلکوں پر لرزاں کہانی
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

یہ شوخی، شرارت، یہ قاتل ادبیں
یہ عنبریں گیسٹوں کی گھٹائیں
یہ شیریں دہن، جس کی لے گل بلائیں
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

نیا سال

تو سلامت رہے اے وہیہ بقیہ لڑنی دل
تو رہے خندہ بہ لب خندہ یہ چشم قافل
اے ستم کیش نیا سال مبارک تجھکو

تیری آنکھوں میں رہے شمع مست تاباں
تیرے ہونٹوں پہ کھلیں ہول خوں کے مہاں
اے ستم کیش نیا سال مبارک تجھکو

تیری کچھ اور تنائیں برائیں سال
حسن میں اور بھی سمجھ گئے آئیں سال
اے ستم کیش نیا سال مبارک تجھکو

ہم کو اس خاک بسیرہ کے گزاریں یہاں
زخم فرقت کے آراہوں سے سنو آہ سال
اے ستم کیش نیا سال مبارک تجھکو

چھنکتی ہوئی چوڑیوں کی جھینکا تک
یہ سانسوں کی گرمی سے اٹھتی بہا تک
یہ ہاتھوں کی ہندی سے اٹھتی نکت تک
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں

قیامت جگانا ہوا تیج و خم بھی
یہ بھلے گراتا ہوا زریرو پم بھت
چھلکتی جوال کا یہ جا جسم بھی
ذرا پھر سے کہنا کہ میرے لئے ہیں



پیار کا شہر

جب کا سد ہار زینت سے میں تنگ آتا ہوں کبھی
تو سب کچھ چھوڑ کر، سبھی سے منہ موڑ کر
پیار کے شہر کا تصور ذہن سے جوڑ کر
دل بیقرار کو سکون دیتا ہوں
اے شہر حبیب، اے ساز دان محبت
سدا قائم رہو

بلند و بالا گہساروں کے مسکن
گل نہاسین چہروں کے آنگن
تو سدا آباد ہے

اے جس لوگوں کے حسیں شہر
تجھے مری نظر لگ جائے

تمہارے پاسی سدا جئیں
سدا ہنسین گائیں، نوش رہیں
کیونکہ وہ بھی تو انہی میں سے ہے
جو بھی مری حسان تھا
جو اب بھی مری مہان ہے

تمہارے آنگن میں کبھی ہم بھی
بٹھے تھے کھیلے تھے

مگر وہ ہنسی تو کسی کے دم سے تھی
کسی کو الفت یہاں پہ ہم سے تھی

محبتوں کے رفیق ساتھی
مری وفاؤں کے تم امیں ہو

تمہارے باغوں میں گل کھلے تھے
عہد ہونے لگے، دو دل ملے تھے

چمن میں آگ

(خلیج کی جنگ کے پس منظر میں)

سنائے آج کہ گلچیں نے باغیاں کیلئے
چمن کو آگ لگا دی ہے ایک جاں کیلئے

سنائے آج کہ کعبے کی حفاظت کیلئے
یہودیوں کا بلاوا ہے اِمامت کیلئے

کہا گیا ہے حسینی کو ابرہہ والا!
کہ اب یزید کا لشکر ہے بس خدا والا

یہ ارض پاک جو شعلوں میں بھسم ہوتی ہے
یہ کس کے خون سے ہولی کی رسم ہوتی ہے

تمہی بتاؤ، وہ کیا ہوئے سب

وفا کی بستی، ہوا سے کہ دو، اگر ملے وہ
تو ان سے پوچھے کہ کیوں خفا ہے
خفا نہیں مگر تو پھر یہ کیا ہے

ضرور ملنا، ضرور کہتا
ضرور ملنا، ضرور کہتا



بُزْدِل

آنکھوں میں محبت کا سمندر سا سینے
چندن سے بدن پر وہ سیاہ شال لپیٹے

آنکھوں میں محبت کے لئے خواب سنیانے
جب آئی تھی تم پیار کی تہذیب بنانے

بے یاد مجھے میں نے بڑا ظلم کیا تھا
جب تلخ سے لہجے میں یہاں تم سے کہتا

”یہ سوزِ محبت یہ غمِ عشق کی باتیں
قربت کا تصور ہو کہ ہوں بھیر کی رتیں

مرتے ہوئے جینا، کبھی جیتے ہوئے مرنے
یا فرطِ جنوں میں کبھی ہاتھوں سے سلنا

کہیں یہ خون، مسلمان کا خون ہی تو نہیں؟
یہ اپنی غیرت و ایمان کا خون ہی تو نہیں؟

یہ التماس ہے تجھ سے اے پاس بانِ حرم
نہ کر وہ فعل کہ میٹ جائے کل نشانِ حرم



دل بس میں نہ ہونا، نہ ہی الفاظ پہ قابو
یہ کچھ بھی نہیں ہے فقط الفاظ کا جادو
بدنام جو ہو جاؤ گی تم مسیری وجہ سے
گر جاؤ گی پھر آپ ہی تم اپنی لگہ سے
میں سوچ کا مزدور ہوں کیا میرا پھر دوسرے
گناہ سا شاعر ہوں یہی شعر امانت
آؤ گی مرے پاس تو قاقول سے مرد کی
اب سوچ لو، کیا پھر بھی مجھے پیار کرو گی
جاؤ کہ ابھی وقت کی آواز ہے خاموش
جاؤ کہ زمانہ ہے ابھی نیند میں مدہوش
آنکھوں میں لرزتے ہوئے اشکوں کو چھپا
دانتوں کے تلے اپنے دوپٹے کو ڈباؤ
کچھ بھی نہ کہا تم نے مگر لوٹ گئی تم
اور آج تک پھر نہ کبھی مجھ سے ملی تم
آنکھوں سے تری ایک بھی آنسو نہ بہا تھا
جاتے تھے ایک لفظ بگڑنے کہا تھا
اُس لفظ کے ہاتھوں ہوں میں اس وقت سے کھال
چلتے ہوئے ہوئے سے کہا تم نے کہ "بزدل"

دل کی رکجھا

مجھے یاد ہے آج بھی وہ گھڑی
جب باہر سرد ہوا میں تھیں

اور ہوٹل کے اُس کمرے میں
اک گرم انگلیٹھی بدشن تھی

اُس گرم انگلیٹھی کے نزدیک
سب ساتھی خوش خوش بیٹھے تھے

کچھ بیٹھے تھے کچھ لیٹے تھے
شب کے بارہ بجنے کو تھے

جانے تم نے کیا سوچ کر
میری آغوش میں ہاتھ رکھے

اور کھول کے اپنی ہتھیلیاں
مجھ سے یہ اک فرمائش کی

ذرا میرے ہاتھ کی ریکھائیں
دیکھو تو ذرا کہتی ہیں کیا

جب میں نے ہاتھ بڑھا کے پھر
تیری نرم ہتھیلیاں ہاتھ میں لیں

تب مجھ پر یہ انکشاف ہوا
تیری پھول سی نرم ہتھیلی میں

دھن دولت، فہرت سب تو تھا
لیکن دل کی ریکھا ہی نہ تھی

تب میں نے تمکو جان لیا
اور اپنے دل میں مٹھان لیا

اس دل کی چاہت دل میں لائے
میں تجھ سے جدا ہو جاؤں گا

پھر دل میں تیرا بدل لائے
میں سچ مچ تم سے دور ہوا

اور آج اچانک مدت بعد
اک پارٹ نے بتلایا ہے

جب ہاتھ میں دل کی لکیر نہ ہو
بیشک وہ سنگ دل ہوتا ہے
لیکن گر ہاتھ میں گرمی ہو
وہ عشق میں پاگل ہوتا ہے

اور آج اچانک مدت بعد
اک بات مجھے یاد آئی ہے

تیرے ہاتھ میں دل کی لکیر نہ تھی
تسے ہاتھ میں لیکن گرمی تھی



پہلی ملاقات

توئی تھی اسی ہی برسات کی اک شلم کو
 جوتی تھی بادِ مرمر حیرتِ مگلفام کو
 میں نے جب دیکھا تھا مسکو کنٹی شرمائی تھی تو
 بھانگی تھی دل کو تیری ہر ادا ہر تیری

کھینچ کر انجیل جو میں نے دیکھا تھا
 ہاتھ کے بیوں میں تم نے شرم سے ڈھانپا تھا

یوں تو اب بھی جل رہے ہیں بادلوں کے
 یاد آتے مگر وہ تیری زلفوں کا سماں

ہر کہ اس دن ہوئی تھیں تم سے باتیں پیاری
 عشق کی، مشورن کی، بیل کی، گن کی خراکی

یاد ہے تم نے کہا تھا عشق اک دیوانہ پن
 پیار کے پیمان ہیں دھوکہ تھوٹے پہل کی گن

سُن کے باتیں آجکی میں نے کہا لے دیا
 آپ نے دیکھی کہاں ہے سچے عاشق کی دنیا

کس کی خاطر تھیں نے ذہن کو کڑا لیا
 کس لئے بیکس پنگاہل کے بن جاتے خاک

کس کی نظر کو تھکن کس میں پایا گیا
 کھینچ کر مشورہ کو کیوں دار پر لایا گیا

یوں تمہارے سامنے دل کا ورق پھیلا دیا
 تم نے پڑھ کر نام اپنا شوق سے کھولا دیا

کیا میں بچہ تھا میری زندگی کو ہانکی
 تم نے جب سوغات میں جھٹھا جھکا پائی

وقت رخصت جب تیری آنکھوں میں آنسو آگئے
پھول تیرے شہر کے سب اس گھڑی مڑھک گئے

آج ہم بیٹھے ہیں تم سے ستا دریاؤں کے پار
ذہن پر چھایا ہوا ہے تیری یادوں کا غبار

تُو نے میری جان آنکھوں کو دکھا کر روشنی
دیدے انبار غم کے، مسکراہٹ چھین لی

اس طرح میں لٹ گیا ہوں تیری فرقت میں صیب
ایک آنسو تک نہیں ہے آنکھ میں واٹے نصیب

آج پھر برسات کی اس شام کی سی شام ہے
تو نہیں پھر بھی مگر ہونٹوں پہ تیرا نام ہے

یہ تمنا لیکے دل میں زندہ ہوں شاید ابھی
بے وفا دنیا کو شاید پھر ضرورت ہو مہری

○

اللہ اکبر

(جنگِ افغانستان کے پس منظر میں)

گو لیوں کی گھن گرج سے زمیں کانپ رہی ہے
آگ کے شعلے آسماں کی طرف لپک رہے ہیں

پزندے خوفزدہ ہو کر اڑ چکے ہیں
جنگ کا عفریت چیخ رہا ہے

مگر کچھ دیر بعد
گھن گرج رُک جائیگی

ہر طرف خاموشی چھا جائے گی
اور میدان میں رہ جائینگے

تو پھر ہمارا کیا قصور تھا
ہمیں کس گناہ کی سزا ملی ہے

مگر شہر سے باہر، پہاڑوں میں
گوشت کے ان معصوم لوگوں کو کھڑے دور

چند غازی، چند مجاہد
ایک دوسرے کو مبارکباد دے رہے ہونگے
کامیاب حملے کی

اور اللہ اکبر کے نعرے لگا رہے ہونگے
اللہ اکبر، اللہ اکبر
اللہ بڑا ہے، اللہ بڑا ہے

اور،
اللہ یقیناً بڑا ہے
○

چند خالی کارٹوس،
اور کچھ ان کھپٹے بم

اور کچھ کٹی پھٹی، معصوم لاشیں
خالی کارٹوسوں کی طرح

جن کی بے نور آنکھیں آسماں کی طرف دیکھ رہی ہوں
جیسے فریاد کر رہی ہوں
اپنے خالق سے، اپنے مالک سے

کہ ہم تو آپس میں ہنس رہے تھے اور کھیل رہے تھے
اپنی اپنی پسند کے کھیل

اور جنگ تو شہر سے باہر، ہو رہی تھی
ہمارے بڑوں کے درمیان

اور ہم تو اقتدار کا مطلب بھی نہیں جانتے

برسات

بادل گر جا بجلی چمکی، چم چم چم بارش برس رہی ہے
آنکھوں میں دھندلتی چم چم چم بارش برس رہی ہے

آنکھیں بوجھل دل سے بھاری چم چم چم بارش برس رہی ہے
نینوں کی نڈیا ہے جارہی چم چم چم بارش برس رہی ہے

یادوں کی اک لہرائی ہے چم چم چم بارش برس رہی ہے
وہ میری بانہوں میں کھڑکی ہے چم چم چم بارش برس رہی ہے

نظروں میں موجیں ہیں پھر پھر چم چم چم بارش برس رہی ہے
سانس لڑکی ہے بن بنیں پھر پھر چم چم چم بارش برس رہی ہے

ماہب کیسی بستی ہے چم چم چم بارش برس رہی ہے
مرقبہ اندھا دکھی ہے چم چم چم بارش برس رہی ہے

آخری سلام

دبا چا خان کی رحلت پر ۲۰ جنوری ۱۹۸۶ء

رو ر رہے چاند بھی تاکے بھی گلی بھی باغ بھی
آج تیری موت پر روتے ہیں دل کے داغ بھی
قوم کے ہر فرد نے بھی جیسے اشکوں کا انعام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

سو برس پہلے زمین پر بس نے رکھا فضا قدم
ان کے وہ چاند نورت سا ہی ملک عظیم
صبح جنگی یاد میں گریہ کنساں، روتی ہے شام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

تہ میری آنکھوں کی ٹھنڈک تم سے آسان تھی
قوم کی تم شان، دل کا مان، دلبر جان تھے

تم نے اپنے ہاتھ میں پکڑا تھا آزادی کا جام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

تم نے آزادی کا پرچم جسے ہاتھوں میں لیا
زندگی زنداں میں کائی، موت کا چھپا کیا
اپنی ہمت سے مشاڈا لہرا کر دشمن کا نام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

ہر دم کو اپنے اپنے ہی سینے پر سہا
آپ کا رنگیں لہو دھرتی کے سینے پر بہا
آپ افغانوں کے سر کے تاج ہم تیرے غلام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

آپ نے جھیلا مرے دشمن کے ہراک و ارکو
اپنے سر سے توڑ ڈالا دشمنوں کے دارکو
ہم کو اپنی جان سے پیارا نہ ہو کیوں تیرا نام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

آپ نے اس قوم میں ذوق یقین پیدا کیا
انکھے دل میں درد کے احساس کو زندہ کیا
یاد رکھیں گے ترے افکار کو ہم صبح و شام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام

آپ نے پنختوں کو مٹی کی جو پہیہ ان دی
عمر بھر جس کے لئے زندہ رہے اور جان دی
ایک دن شاہد یہاں راج کھریں گے وہ نظام
میرے باچا خان لے لو آخری میرا سلام



ایک چشمِ رواں کوئی بی کر
شکرتے لبوں کو سہی سی کر

شہرِ درد و الم میں جی جی کر
جامِ فرقت نواز پی کر

آؤ اکبار بھیر بچھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

اپنے اپنوں کے آزمانے کو
خود کو خود کا لیتیں دلنے کو
دوستوں کا جگر جلانے کو
دشمنوں کے بھی مُت کرانے کو

آؤ اکبار بھیر بچھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

آؤ اکبار بھیر بچھڑ جائیں
اک نئے امتحان کی خاطر
ایک مبہم گمان کی خاطر

دستوں میں اُڑان کی خاطر
اک نئے گلستان کی خاطر

آؤ اکبار بھیر بچھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

دل کے زخموں کو فروزاں کرنے
اپنی پلکوں پہ چہراں کرنے

خود کو ماضی کی داستاں کرنے
انجی چاہت کو حبا وداں کرنے
آؤ اکبار بھیر بچھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

اپنی بے نام دوستی لے کر
اپنی گمنام زندگی لے کر

اپنا دکھ، درد بے کسی لے کر
دل کا سب چین، ہر خوشی لے کر

آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

دشتِ الفت میں جستجو کرنے
خود کو خود ہی سے رو برو کرنے

عشق میں خود کو سرخرو کرنے
جاں تلک نذرِ آرزو کرنے

آؤ اکبار بھڑ بھڑ جائیں
یادِ ماضی سے خود کو پہلائیں

عید کے دن

عید کے دن بھی وہی میں مری تنہائی ہے
عید کے دن بھی محبت کی سزا پائی ہے

عید کے دن بھی اکیلا ہوں میں اپنے گھر پر
عید کے دن بھی لگی آنکھ ہے میری در پر

عید کے دن بھی نہیں ضبط مجھے اشکوں پر
عید کے دن بھی چراغال ہے مری پلکوں پر

عید کے دن بھی جو آنکھیں مری بھرائیں ہیں
عید کے دن بھی نظر میں تری پر چھپائیں ہیں

عید کے دن بھی وہی دہر فراموشی ہے
عید کے دن بھی وہی میں مری خاموشی ہے

فردوسِ وطن

اس دس کے باغوں میں ہیں خوشترنگ نفلے
اس خاک میں پنہاں ہیں کئی چاند ستارے

صناعی فطرت ہے کہ قدرت کے اشکے
یہ جھیل، یہ دریا، یہ سمندر، یہ کنارے

اس ارضِ وطن کا سے ہر اک رُوب نیارا
فردوسِ گو اللہ نے دھرتی پہ اتارا

یہ کھیت، یہ کھلیان، یہ پرہت، یہ گلستاں
یہ دس جو پھولوں کا وطن ہے کہ پرستاں

عید کے دن بھی جو تونے نہ پٹ کر دیکھا
عید کے دن بھی فقط خود سے لپٹ کر دیکھا

عید کے دن بھی دیا ہم نے محبت کا خراج
عید کے دن بھی فسردہ ہی رہے دن بھر آج

عید کے دن بھی سلگتا ہی رہا دل اپنا
عید کے دن بھی نہ آیا میرا قاتل اپنا

عید کے دن بھی میں دہلیز پہ بیٹھا دن بھر
عید کے دن بھی وہ شاہد نہیں آیا دن بھر



تحفہ

نئے سال کی روپوشی کروں کے آنگن میں
خیال کا بچھی ہنک رہا ہے

نیا سال، آشاؤں کے چند میٹھے میٹھے خواب لے
ہر آنگن میں اتر چکے ہے

اور میں اس دکھش موقع پر
تنہا بیٹھا سوچ رہا ہوں

سوچ رہا ہوں اپنے دل میں
اے میرے دیرینہ بھلا

تیری خوشی کی خاطر تجھ کو
تحفے میں کیا پیش کروں؟

یہ بوجھ اٹھائے ہوئے مزدور، یہ دہنقاں
گرتے ہیں جو دن رات مری زیت کا ساماں

ان خاک نشینوں سے بے جینے کا سہارا
فردوس کو اللہ نے دھرتی پہ اتارا

اس دیس کی ہم مانگ ستاروں سے بھرنی گے
خوں بن کے ہم اس خاک کے سینے پہ بہیں گے

اس خاک کی ناموس کی خاطر ہی جڑیں گے
اس دیس کی ہم آن پہ ہر آن مریں گے

اس دیس کی زلفوں کو ہمیں نے بے سنوارا
فردوس کو اللہ نے دھرتی پہ اتارا



پھول دُعاؤں کے صفتی ہیں
تیرے خوش رہنے کی دُعا میں

وہی بتا پھر اے میرے دیرینہ ہلم
نئے سال کے اس موقع پر

خالی ہاتھوں آخر تکھکو
دُعا سے بڑھ کر کیا تحفہ دوں؟



اور انہی ہسکی ہسکی پاگل سوچوں میں
بہکے ہوئے کچھ حرف اچانک
نوکِ قلم پر محفل گئے ہیں

اور بالآخر میرے جذبے
درد کے کچھ بے نام سے شعلے

اور میرے رنگیں خوابوں کی
تہنخ سی کچھ تشنہ تعبیریں

سیدھا روشن رستہ بن کر
مجھ کو تم تک لے آئیں ہیں

اور اچانک میری آنکھیں اشکوں سے بھر آئیں ہیں

نیلے امبر کو چھوٹی لبریز نگاہیں

میں نے اک بلبلی بنیاسے پوچھی یہی بات
کہ اے طیور کی ملکہ، یہ محبت کیا ہے

اُس نے اک درد بھری چیخ نکالی، یہ کہا
عشق پھولوں کی رفاقت کے سوا کچھ ہی نہیں

میں نے جب چاند سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
چاند بولا کہ چکوری کا مرے پاس آنا

پاس آنے کی تمنا میں، مگر مر حانا
عشق معصوم تمنا کے سوا کچھ ہی نہیں

میں نے درویش سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
ڈال کر مجھ پہ اُچھٹی نسی نظر، وہ بولا

اُس کی چاہت میں جوانی کو بڑھا پا کرنا
عشق بس چاہنے رہنے کے سوا کچھ ہی نہیں

عشق

میں نے اک شیخ سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
اُس نے ڈاڑھی کو کھنچا کر یہ بصد شوق کہا

عشق، معشوق کے قصوں میں صداقت ہی ہے
عشق اک وصل کی لذت کے سوا کچھ ہی نہیں

میں نے اک رند سے پوچھا کہ محبت کیا ہے
اُس نے بیساختہ اک جام کو چوما، یہ کہا

یہ تو اک راز ہے اس راز کو افشا نہ کرو
عشق میکش کی صراحی کے سوا کچھ ہی نہیں

وہ ایک شخص

(حبیبِ جالب کی یادیں)

مومن تھا کہ مومن کی اذال تھا وہ ایک شخص
منزل تھا کہ منزل کا نشاں تھا وہ ایک شخص

بہر ظلم کے، بہر جبر کے، بہر جور کے آگے
مجبوراً، بیگسوں کی زباں تھا وہ ایک شخص

صدق و صفا کی راہ کو چھوڑا نہ عمیر بھیر
عزم و وفا کا کوہ گراں تھا وہ ایک شخص

وہ امن کا داعی تھا محبت کا پیغمبر!
انسانیت کی روح رواں تھا وہ ایک شخص

گھٹ گھٹ کے اپنی ذات کے پنجے میں مگیا
مرکز بھی زندگی کا گماں تھا وہ ایک شخص

میں نے جب دل میں اتر کر یہی پوچھا دل سے
اُس نے رو رو کے یہ اک بات بتائی مجھ کو

میرا مر کے نہ مرنا ہی محبت سے عزیز
عشق مر کر بھی نہ مرنے کے سوا کچھ بھی نہیں



پہلی بارش

اپنے دل کی پیاسی نگری
دیکھ کے خود کو کوس رہا ہوں

کیا یہ بنجر پیاسی نگری
پیاسی ہے پیاسی ہی رہیگی

یا اس پیاس نگری میں ایک دن
چھا جائیں گے کالے بادل

پھر ساون کی پہلی بارش
چھم چھم کرنی برس پڑے گی

اور میرے دل کی دنیا کی
کچی مٹی مہک اُٹھے گی

اور کسی دن اس مٹی سے
پہلی کو نیل چھوٹ پڑے گی

اور پھر اک دن میرے دل کا
سونا آنگن بھر جائے گا

کیاری، کیاری رنگ بکھرے
سرخ گلابوں کی خوشبو سے



ختم شد

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**